

## لوگوں کو بتدریج دین پر لانا

(بسلسلہ حاشیہ 24، متن سفر الحوالی)

یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ راتوں رات سب کچھ انجام پا جانا ممکن نہیں۔ خدا کا یہ جہان اس نقشے پر تخلیق ہی نہیں ہوا۔ ہر چیز اپنا ایک وقت لیتی ہے۔ یوں تو ایک فرد کی بابت بھی یہ اصول درست ہے۔ تاہم جہاں قوموں اور معاشروں کو خدا کی جانب لے کر چلنا ہو، وہاں تو یہ حقیقت اور بھی جلی ہو کر آپ کے سامنے آتی ہے۔ جلد باز لوگ کچھ بڑے بڑے حادثات کروا سکتے ہیں۔ سماجی نظر سے محروم لوگ ’دلائل‘ کی بحثیں لے کر بیٹھے رہیں گے، ”معاشروں“ کو لے کر چلنا البتہ ایک اور چیز ہے۔ جبکہ ہمارے ائمہ سنت وہ ہستیاں جو صدیوں معاشروں کو چلاتی اور راہ دکھاتی رہیں۔

”اہل سنت“ انسان کو سب سے زیادہ سمجھنے والا، انسان پر سب سے زیادہ رحمت اور شفقت کرنے والا، اور انسان کو آسودہ رکھنے اور بیک وقت خدا کی جانب لے کر بڑھنے والا منہج ہے۔<sup>1</sup> اس میں انسان کی اس حالت کا اعتبار کیا جاتا ہے جہاں سے اس کو خدا کی جانب اپنے اس سفر کا آغاز کرنا ہوتا ہے۔ ہمارے فقہاء بیک وقت ماہرین سماج social scientists بھی تھے لہذا ”شریعت“ سے ان کا استدلال کرنا ہمارے آج کے شدت پسندوں یا مثالیت پرستوں سے بہت مختلف رہا ہے۔ ان کے یہاں شریعت کے ”دلائل“ کو شریعت کے ”مقاصد“ اور ”کلیات“ کے ایک بڑے فریم میں رکھ کر

<sup>1</sup> اس موضوع پر ”موحد تحریک“ میں ہمارے مضمون ”الحنيفية السمحة“ کا مطالعہ مفید ہوگا۔

سمجھا جاتا رہا ہے، نیز ”انسان“ کو اس کی سماجی پیچیدگیوں اور کمزوریوں سمیت سمجھنا بھی ہمارے فقہاء کے فہم شریعت کے پیچھے کار فرما رہا ہے... جس کے باعث ”دلائل“ کبھی اُن کے یہاں تجربوں، آزمائشوں اور حادثوں کا موجب نہیں بننے دیے گئے۔ جبکہ یہاں آئے روز مذاق ہوتے ہیں۔

یہاں؛ جناب الحوالی ان دو امور کو بیک وقت ذہن نشین کرواتے ہیں:

1. جہاں تک خدائی احکام کا تعلق ہے تو ان کے واجب اطاعت ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ خود ان احکام کے شریعت اور دستور ہونے پر کوئی بحث نہیں۔ یہاں؛ کسی ہستی، کسی اتھارٹی، کسی پارلیمنٹ کا کوئی اختیار نہیں۔ ”تشریح“ انجام پا چکی؛ اس میں قیامت تک اب کوئی تدریج نہیں۔ عقیدہ، عبادت، سماج، ہر معاملہ خدا کی شریعت میں طے ہو چکا؛ اور وہ قیامت تک پتھر پر لکیر ہے۔ ”اہل سنت و اتباع“ ان میں سے کسی ایک بھی چیز کو پیچھے کرنے کے روادار نہیں۔ یہ حق پورے کا پورا بیان ہو گا۔ اس میں کوئی کمی قبول نہیں؛ کیونکہ یہ اللہ کے دین سے تنازل (compromise) ہو گا۔ یہ پیراڈائم (paradigm) کو درست رکھنے کا مسئلہ ہے۔ یہاں ایک انچ پیچھے ہٹنا ”وحی کی اتباع“ سے پیچھے ہٹنا<sup>2</sup> ہے۔ اہل سنت کی دعوت اور ان کا مطالبہ اسی ”پورے حق“ کا رہے گا۔

<sup>2</sup> وَاحْذَرُهُمْ أَنْ يَفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ (المائدہ: 49) ”اور ان سے بچتا رہ کہ تجھے کسی ایسے حکم سے بہکانے دیں جو اللہ نے تجھ پر اتارا ہے“۔ (ترجمہ: احمد علی لاہوری)

وَإِنْ كَادُوا لَيَفْتِنُوكَ عَنِ الَّذِي أُوحِيَ إِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيِّبَةً وَإِذَا لَا تَأْتِيكَ خَلِيلًا (الاسراء: 73) ”اور بے شک وہ قریب تھے کہ تجھے اس چیز سے بہکا دیں جو ہم نے تجھ پر بذریعہ وحی بھیجی ہے تاکہ تو اس کے سوا ہم پر بہتان باندھنے لگے اور پھر تجھے اپنا دوست بنا لیں“۔ (ترجمہ: احمد علی لاہوری)

2. البتہ لوگوں کو اس حق پر لے کر چلنے میں نرمی بھی ہوگی، شفقت بھی۔ جس رفتار سے وہ چل سکتے ہوں اُس رفتار سے ان کو چلایا جائے گا۔ اُن کی اُس حالت کا جس میں وہ ہیں، اعتبار کیا جائے گا۔ ایک غلط حالت کو صحیح حالت میں بدلنے کے لیے جو جو کوشش، جو جو محنت اور جو جو تیاری درکار ہے اس کا ضرور لوگوں کو پابند کیا جائے گا؛ تاہم اگر وہ اس محنت اور تیاری میں جت گئے ہوئے ہیں تو درمیانی مرحلہ میں ان کا عذر تسلیم کیا جائے گا۔ ان کی استطاعت سے بڑھ کر ان سے کچھ طلب نہیں کیا جائے گا؛ اور ”شریعت پر آنا“ لوگوں کے لیے عذاب یا مذاق نہیں بننے دیا جائے گا۔

یہاں اس مسئلہ پر تفصیل سے بات نہ ہو سکے گی، تاہم ”تدریج“ کے جو معانی ہمیں سنت اور سیرتِ خلفاء میں واضح طور پر ملتے ہیں اور ہمارے ائمہ اور فقہاء ان کا اعتبار کرتے ہیں، اور جس سے ہماری شریعت کی وسعت، مرونت flexibility، انسانِ رحمی اور سماجِ فہمی نہایت خوبصورت طور پر عیاں ہوتی ہے، اس کی جانب یہاں ہم چند اشارے کریں گے:

ﷺ لوگوں کو ایک ایک کر کے دین کے اعمال پر لانا ”تعلیم“ اور ”تربیت“ کا نبوی منہج ہے۔ معاذ اللہ! کو یمن بھیجتے وقت آپ ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ سب سے پہلے انہیں توحید سکھانا۔ جب وہ توحید سیکھ جائیں تو نماز اور پھر زکات۔

ﷺ شریعت کے اصول: جو انسان کو اس کی ”استطاعت“ کے دائرے میں مکلف کرتے ہیں۔ یہ بات شریعت کے کلیات میں آتی ہے۔ اب یہ تو معلوم ہے کہ ”استطاعت“ جسمانی بھی ہو سکتی ہے، عقلی بھی اور سماجی بھی۔ لہذا کوئی اپنی استطاعت سے بڑھ کر مکلف نہ کیا جائے گا؛ نہ ”چلانے“ والے اور نہ ”چلنے“ والے۔

لوگوں کی ”حالت“ کا اعتبار کرنا، جس پر شریعت سے کئی شواہد ملتے ہیں۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ کا غزوات وغیرہ کے دوران کسی پر حد قائم کرنے سے ممانعت فرمانا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اس کی یہ توجیہ فرمانا کہ دشمن کا علاقہ قریب ہونے کے باعث مبادا شیطان آدمی کو خراب کرے اور وہ سزا سے بھاگ کر دشمن سے جا ملے؛ یوں معاملہ ایک چھوٹے شر سے نکل کر بڑے شر میں جا پڑے۔<sup>3</sup> فقہائے اسلام نے نبی ﷺ کی اس حدیث اور عمر رضی اللہ عنہ و دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے ان آثار کی بنیاد پر کئی ایک مسائل اخذ کیے ہیں۔ سبھی میں یہی چیز پیش نظر ہے کہ ایک معمول سے ہٹی ہوئی صورت حال کا حسبِ سگیب اعتبار کرنا ضروری ہے۔ امام ابو حنیفہ یہاں تک گئے ہیں کہ دار الحرب میں شرعی سزائیں نہیں دی جائیں گی۔ دوسرے فقہاء بھی باعتبار مضمون یہی کہتے ہیں۔

اس کے علاوہ ”مصلح و مفاسد“ کے موازنہ کا اصول۔ نیز رفع ضرر کے احکام۔ وغیرہ۔

<sup>3</sup> مصنف ابن ابی شیبہ: ج 5 ص 549 <http://goo.gl/qqKfAA>، واضح رہے کئی ایک فقہاء نے اس پر صحابہ کا اجماع تک نقل کیا ہے۔

البانی نے صحیح ابی داؤد (رقم الحدیث 3708، ص 833) میں حدیث کو صحیح کہا، نیز ترمذی اور نسائی سے بھی اس کا حوالہ دیا: <http://goo.gl/HtA5hz>